بسم اللہ الرحمن الرحیم

تلاوتِ قرآن
کے
آداب

تلاوتِ قرآن
کے
آداب

خرم مراد

منشورات

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب : تلاوتِ قرآن کے آداب

مصنف : خرم مراد

ڈیلکس ایڈیشن : اکتوبر ۲۰۰۲ء

تعداد : ۱۱۰۰

سرورق : نوید احمد

کمپوزر : سید حیدر زیدی

ناشر : منشورات، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور، پاکستان۔ ۵۴۵۷۰

فون : ۵۴۲۵۳۵۶-۰۴۲ فیکس : ۵۴۳۲۱۹۴-۰۴۲

ای میل : manshurat@hotmail.com

قیمت :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترتیب

بسم اللہ	۷
دو اہم سوال	۱۰
قرآن کا صحیح مقام	۱۵
تلاوت کا مفہوم	۱۸
تلاوت کی شرائط	۲۰
باطنی آداب	۲۳
ظاہری آداب	۲۶
تلاوت کی مقدار	۲۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید بظاہر ایک عام سی کتاب ہے' انسانوں کی زبان میں لکھی ہوئی' کاغذ پر چھپی ہوئی' دو تختیوں کے درمیان مجلد۔ کسی اور کتاب سے بظاہر کوئی فرق بھی محسوس نہیں ہوتا' لیکن یہ اپنی طرز کی منفرد کتاب ہے' اس کی کوئی مثال ہے' نہ نظیر!

اس کی وجہ یہ ہے جیسا کہ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ جو اس کائنات کا مالک' خالق اور آقا ہے' یہ کتاب اس کی نازل کردہ ہے۔ اس کتاب کا اپنا بھی یہی دعویٰ ہے جسے کثرت سے اور اصرار سے کیا گیا ہے۔ کتاب کا آغاز بھی ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْہِ سے ہوتا ہے' اس کا ترجمہ یہی ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ الکتاب کا لفظ' اللہ کی کتاب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بعد شروع سے آخر تک آپ کتاب کو پڑھ جائیے' جگہ جگہ اس بات کی تکرار ہے اور پرزور دعویٰ ہے کہ ہم نے اس کو اتارا ہے' اس کی آیات ہماری بھیجی ہوئی ہیں' ہماری طرف سے فرشتہ لے کر آیا ہے' لوح محفوظ سے امانت دار' عزت والے لوگ اس کو لے کر نیچے آئے ہیں۔ بے شمار سورتیں اسی دعویٰ کے ساتھ شروع ہوتی ہیں' تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ (حم السجدہ ۴۱:۲) ''یہ خدائے رحمٰن و رحیم کی طرف سے نازل کردہ چیز ہے''۔ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ

حَمِيْدٍ ○ (حٰمٓ السجدہ ۴۱:۴۲) ''یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ چیز ہے''۔
تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ (المومن ۴۰:۲) ''اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے' سب کچھ جاننے والا ہے''۔

صحیح بات یہ ہے کہ دنیا کی ہر قوم اس بات کی دعوے دار ہے کہ اس کے پاس بھی کتاب الٰہی موجود ہے' لیکن اُن ساری کتابوں میں سے کوئی کتاب خود یہ دعویٰ نہیں کرتی کہ میں اللہ کی کتاب ہوں۔ یہ اُس کے ماننے والوں کا دعویٰ ضرور ہے' جس طرح ہمارا ہے' لیکن صرف قرآن مجید اُن صحیفوں میں جن کو آسمانی صحیفہ سمجھا جاتا ہے' وہ واحد کتاب ہے جو خود اس بات کی وضاحت کے ساتھ تاکید کرتی ہے کہ میں اللہ کی کتاب ہوں۔ اگر غور کیا جائے تو اس دعوے کے اندر ایک ایسی دنیا پنہاں ہے جس کا ادراک بھی انسانی حواس کے لیے ناممکن ہے۔ ایک لامحدود اور بے کراں ذات جو ہر جگہ موجود ہے' جو زمان اور مکان سے بالا ہے' اُس نے ایک محدود مخلوق سے کیسے کلام کیا؟ مذہب' فلسفہ اور خیال کی دنیا میں اس کا کوئی حل آج تک دریافت نہیں ہو سکا ہے۔ اس لیے کہ یہ انسانی حواس سے بالاتر چیز ہے' اور اس کی صداقت پر کوئی انسانی دلیل نہیں آ سکتی۔ اس لیے قرآن مجید بھی یہ کہہ کر آگے بڑھ جاتا ہے کہ اللہ اس پر گواہ ہے کہ یہ کتاب اس کے پاس سے آئی ہے۔

حواس انسانی کے لیے یہ چیز قابل ادراک نہیں ہے' اس لیے کہ نہ اُس درخت میں اللہ موجود تھا جس کے پیچھے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا گیا۔ انسانی صورت میں نبیؐ کے پاس جو فرشتہ آتا تھا نہ اس کا ادراک کیا جا سکتا ہے' اور خدا نے جب اپنے بندے سے کلام کیا' نہ بندے نے اُس کو دیکھا' نہ اس کا اعتراف کیا۔ اس لیے ہماری تاریخ میں' قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق' اس پر بڑے مناظرے اور مباحثے ہوتے رہے ہیں۔ جنھوں نے کتاب الٰہی کو بھی مخلوق قرار دیا' بہت سوں کے نزدیک وہ مشرک اور گمراہ تھے' اور اس جرم میں ان کو قتل کر دیا گیا' اس لیے کہ یہ بڑا نازک مسئلہ ہے۔ بہرحال اس کتاب کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب الٰہی ہے' اللہ کی کتاب ہے اور اس کا

کوئی حرف بھی مخلوق کا لکھا ہوا نہیں ہے۔

پہلے پہل جب یہ کتاب نازل ہوئی' اور جنھوں نے اس کو براہ راست اُس شخص کی زبان سے سنا (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کے قلب مبارک پر جبریلؑ امین اس کو لے کر نازل ہوئے تھے' اس کتاب نے اُن کو ہلا کر رکھ دیا' اور بالکل بدل دیا۔ اُن کے دلوں اور روحوں میں ہلچل مچ گئی' اُن کے ذہن' فکر اور سوچ میں انقلاب آ گیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ میرے اوپر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے' اس میں کوئی غلط یا جھوٹ نہیں ہے اور انھیں اس بات میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں تھا۔ اس کتاب نے اُن کی سوچ بدلی' فکر بدلی' اخلاق بدلے' عادات بدلیں' اندر سے بھی بدلا اور باہر سے بھی بدلا' فرد کو بھی بدلا اور معاشرے کو بھی بدلا۔ اس کے اثرات صرف فکر اور سوچ تک نہیں تھے بلکہ انسان کا جسم بھی اس کے اثرات میں شریک تھا' دل کانپ اٹھے' رونگٹے کھڑے ہو گئے' کھالیں نرم پڑ گئیں' سر جھک گئے اور لوگ روتے ہوئے سجدوں میں گر گئے' اور بار بار یہ کہا کہ ہاں' یہ ہمارے رب کا کلام ہے۔ یہ معجزہ نما تاثیر دنیا کے کسی دوسرے کلام نے نہیں دکھائی۔ مخالفین بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے بلکہ کوئی جادو یا سحر ہے۔ پھر اُس نے انسانوں کے اندر اس قدر تغیر برپا کیا کہ وہی جو بکریاں چرایا کرتے تھے' کھجور کے چھوٹے چھوٹے باغات لگایا کرتے تھے' مکہ میں معمولی دکانیں کھولے بیٹھے تھے' دیکھتے ہی دیکھتے ۳۰ سال کے عرصے میں اُس وقت کی ساری متمدن دنیا کے مالک' امام اور قائد بن گئے' اور انھوں نے ایسے تہذیب وتمدن کی بنیاد رکھی جو ہزار سال تک دنیا پر غالب رہا۔ آج بھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ تہذیب مر چکی یا مٹ چکی ہے' بلکہ اس کے جاگ جانے اور اٹھ کھڑے ہونے کے خوف سے آج بھی دنیا لرزہ براندام ہے۔

کیا وجہ ہے کہ وہی کتاب جس نے ۱۴ سو سال پہلے معجزہ اور انقلاب عظیم برپا کیا آج بھی ہمارے پاس موجود ہے' اُس کے کروڑوں نسخے دنیا کے اندر پائے جاتے ہیں' ہزاروں اور لاکھوں لوگ اس کو پڑھتے ہیں' لاکھوں قرآن رمضان میں ختم ہوتے ہیں'

سیکڑوں تفاسیر اس پر لکھی جا چکی ہیں' اور مسلمان اس کی مسلسل ورق گردانی یا تلاوت کرتے ہیں' نمازوں میں بھی کرتے ہیں اور نمازوں کے علاوہ بھی' لیکن نہ دل کانپتے ہیں' نہ آنکھوں میں نمی نمودار ہوتی ہے' نہ کھالیں نرم پڑتی ہیں اور نہ رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں' نہ ان کی سوچ اور فکر میں اور عمل میں کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہے' اور نہ مسلمانوں کی حالت میں کوئی تغیر برپا ہوتا ہے۔

یہاں دو بڑے اہم سوال پیدا ہوتے ہیں:

دو اہم سوال

پہلا سوال یہ ہے کہ کیا قرآن مجید بدل گیا ہے؟ قرآن مجید نے اپنی تاثیر کھو دی ہے یا اس کے سننے اور ماننے والوں نے اس کو کھو دیا ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا آج بھی یہ ممکن ہے کہ ۱۴ سو سال کے بعد' زمانے کی اس قدر دُوری کے بعد' حالات میں اتنے تغیر کے بعد' سائنس اور ٹکنالوجی کی اتنی ترقی اور انکشافات کے بعد' مسلمانوں کی اتنی عظیم الشان اکثریت کے عربی سے ناواقف ہونے اور قرآن سے اجنبیت کے باوجود' اس کتاب نے ۱۴ سو سال پہلے جو معجزہ دکھایا تھا' جو اثرات پیدا کیے تھے' وہ دوبارہ پیدا ہو سکیں؟

یہ دو بڑے اہم سوال ہیں۔

قرآن تو نہیں بدل سکتا نہ ہی اپنی تاثیر کھو سکتا ہے' اس لیے کہ اُس کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ ہر زمانے کے لیے ہے۔ یہ دعویٰ بھی کسی اور کتاب نے نہیں کیا ہے۔ جب قرآن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کو لانے والا آخری نبیؐ ہے تو اسی دعوے کے اندر یہ بات بھی پوشیدہ ہے کہ اب کوئی دوسری کتاب نہیں آئے گی۔ اگر اس کے بعد کوئی دوسری کتاب آنے والی نہیں ہے' تو اس بات میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ آج سے ۱۴ سو سال پہلے رونما ہوا' وہ آج بھی رونما ہو سکتا ہے' اور ہونا چاہیے۔ آج بھی اس کتاب کو ماننے والوں اور سننے والوں کا اپنے رب پر' اس کتاب کے بھیجنے والے پر اور اس کتاب پر اتنا

حق تو ضرور ہونا چاہیے کہ اس سے وہ وہی فوائد حاصل کر سکیں' جو ان سے پہلے لوگوں نے حاصل کیے تھے اور ان کی جھولی بھی ان خزانوں سے بھر سکے جن خزانوں سے ان سے پہلے والوں کی جھولی بھری تھی۔ اس درجے میں' اس مقدار میں اور اس معیار پر نہ سہی' لیکن بہرحال اُسی نوعیت اور اُسی قسم کے اثرات اور معجزات کا رونما ہونا اللہ کے عدل اور رحمت پر ہمارا حق محسوس ہوتا ہے۔

اگرچہ یہ کتاب ایک زمانے میں اُتری' اس کی زبان بھی اُس زمانے کی زبان ہے' اس کے واقعات بھی اُس زمانے کے واقعات ہیں' اس کے محاورے' اس کا اسلوب' اس کا طرز بیان' اس کی تشبیہات' اس کے استعارے' سب کے سب اُسی ماحول سے مستعار ہیں جو آج سے ۱۴ سو سال پہلے کی عرب کی سرزمین میں موجود تھا' لیکن یہ کتاب زمان و مکان کی حدود کو پھلانگ کر ہر زمانے اور ہر دَور کے لیے یکساں طور پر ہدایت الٰہی ہونے کی مستحق ہے۔ اس لحاظ سے ہر زمانے اور ہر جگہ کے انسانوں کا یہ مطالبہ کہ جو کچھ مکہ میں بسنے والوں کو ملا' وہ سب کا سب نہ سہی لیکن اس کا کچھ حصہ ہمیں ضرور ملنا چاہیے' بالکل بجا ہوگا۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس طرح ہوسکتا ہے' اور نہیں ہو رہا تو کیوں نہیں ہو رہا؟ یہ دو بڑے اہم سوال ہیں' قرآن کے ماننے والوں کے لیے بھی اور نہ ماننے والوں کے لیے بھی۔ ماننے والوں کے لیے اس لیے کہ پوری تاریخ ان کے سامنے ہے' کہ جو کچھ بھی انھیں ملا' اس کتاب کے وسیلے اور برکت سے' اور اسی کے سہارے سے ملا۔ آج بھی ان کے انہماک اور شغل میں کوئی کمی نہیں آئی ہے' اس لیے کہ بڑے بڑے پریس لاکھوں کی تعداد میں قرآن شائع کر رہے ہیں۔ ہر گھر کی یہ زینت ہے۔ اس زمانے میں تو اس کتاب کا ایک نسخہ بھی اس حالت میں کہ دو جلدوں کے درمیان مجلد ہو' لوگوں کے ہاتھ میں موجود نہیں تھا' اور بہت کم لوگ ہوں گے جو ساری کتاب سے واقف ہوں' اور تفسیر اور لغت کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔ اگر آج اتنے انہماک اور شغل کے باوجود بھی لوگ قرآن کی ہدایت' رہنمائی اور برکت سے محروم ہیں تو یہ بات یقیناً غور طلب ہے۔

یہ کس طرح ممکن ہے؟ اس کا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اگر آج بھی ہم اس کتاب کو اس طرح پڑھیں، تلاوت کریں، تعلق رکھیں اور اس طرح سمجھیں کہ گویا آج اللہ تعالیٰ ہم سے براہِ راست خطاب کر رہا ہے، تو یہ ممکن ہوسکتا ہے۔ اس کا اسلوب، اس کے محاورے، اس کی زبان، اس کے واقعات، اس کے کردار بے شک ۱۴ سو سال پہلے کے ہیں لیکن یہ کتاب ہمارے لیے تو آج ہی نازل ہو رہی ہے۔ ہمارا یہی دعویٰ ہے کہ یہ کتاب ہر زمانے کے لیے ہے۔ اگر آج کوئی نبی آتا اور کتاب لے کر آتا، ممکن ہے اُس کی زبان اور محاورہ مختلف ہوتا لیکن اُس کے کردار وہی ہوتے۔ مومنین اور منافقین اور منکرین اُسی کردار کے حامل ہوتے، اور اُس میں انھی قوموں کا ذکر ہوتا جو آج موجود ہیں، عاد اور ثمود کے بجائے امریکہ اور روس ہوتے، لیکن ان کا کردار وہی ہوتا۔

چنانچہ یہ اسی طرح ممکن ہے کہ ہم یہ سمجھ کر اس کتاب کی تلاوت کریں کہ اللہ تعالیٰ آج ہم سے کلام فرما رہا ہے۔ اگر ایسا ہو تو اس کے تین نتائج نکلیں گے:

۱- اللہ کی کتاب کا جو مقام ہونا چاہیے، ہمیں اس کا صحیح شعور اور ادراک حاصل ہوگا۔ جو چیز صرف برکت کا ذریعہ بن گئی ہے، لیکن ان لوگوں کے لیے ایک زندہ کتاب تھی، وہ ہمارے لیے بھی ایک زندہ کتاب بن جائے گی۔

۲- اس کی تلاوت کے جو حقوق ہیں وہ بھی ہم ادا کریں گے۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ تلاوت اس طرح کی جائے جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے۔

۳- اس کی ہر بات اپنے حالات، اپنی کیفیات اور واردات قلبی سے مربوط اور متعلق نظر آئے گی۔

اس کے پہلے سننے والے وحی کے عمل میں برابر کے شریک تھے۔ اُن کے ذہن میں سوال پیدا ہوتے تھے تو وحی اُتر آتی تھی، مخالفین اعتراض کرتے تھے تو وحی اتر آتی تھی، اُن کے درمیان کوئی واقعہ پیش آجاتا تو وحی آجاتی تھی، جنگ میں ہارتے یا جیتتے تو وحی آجاتی تھی۔ ان کے لیے وحی ایک بے جان شے نہیں تھی کہ محض اس کو سن لیں یا اس کے صفحات پڑھ لیں بلکہ اُن کے معاشرے کے حالات پر براہِ راست وحی نازل

ہوتی تھی۔ ہر چیز اُن کی اپنی تھی' کوئی چیز ان کے لیے غیر اور اجنبی نہیں تھی۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ہم کو بھی وہی کیفیت حاصل ہوسکتی ہے' لیکن اُسی نوعیت کی کیفیت کا کوئی نہ کوئی درجہ ہمیں حاصل ہوسکتا ہے کہ جب ہم اس کو پڑھیں' تلاوت کریں تو یوں محسوس ہو کہ یہ کتاب آج نازل ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہم سے کلام فرما رہا ہے۔ جب ہم یہ کریں گے تو ایسا کرتے ہی قرآن کے الفاظ میں جان پڑ جائے گی' وہ اٹھ کھڑے ہوں گے' ہمارے دل کو ٹٹولیں گے' ہمارے سامنے سوال لا کر کھڑا کریں گے' آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپکیں گے' اور جسم پر رونگٹے بن کر کھڑے ہو جائیں گے۔ تب یہ محسوس ہوگا کہ کتاب تو آج اتر رہی ہے۔ پھر ہمارا انہماک بھی بڑھے گا اور ہم ذوق وشوق اور بڑے اہتمام سے اس کی تلاوت کریں گے۔ اس طرح قرآن ہمارے لیے ایک زندہ کتاب بن جائے گی اور ہمارا اس سے حقیقی تعلق قائم ہو جائے گا۔

شاید اس کی کوئی مثال دینا تو ناممکن ہے اس لیے کہ کبھی ہم نے اس کا تجربہ نہیں کیا ہے۔ ہم اُس تجربے سے بھی نہیں گزرے جب قرآن نازل ہو رہا تھا' تاہم بات کو سمجھنے کے لیے ایک ناقص مثال دیتا ہوں۔ ۷۵-۱۹۷۰ء میں مجھے کسی سفر کی غرض سے کمیونسٹ چین سے گزرنا پڑا۔ جیسے ہی جہاز سے اتر کر میں امیگریشن والوں کے پاس پاسپورٹ پر مہر لگوانے کے لیے گیا' امیگریشن والے نے مجھ سے کہا کہ کیا آپ نے ماؤزے تنگ کا وہ بیان سنا ہے جو آج ہی دیا گیا ہے؟ میں نے کہا کہ میں ناواقف ہوں۔ اس پر اُس نے پورا بیان مجھے سنایا۔ اُس کے بعد آگے بڑھا' کسٹم والوں کے پاس گیا۔ انھوں نے پوچھا کہ کیا آپ نے ہمارے چیئرمین ماؤزے تنگ کا بیان پڑھا ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے تو نہیں سنا' ابھی کچھ جملے امیگریشن والے نے سنائے ہیں۔ اُس نے پھر مجھے پورا بیان پڑھ کر سنایا اور سوٹ کیس پر نشان لگا دیا۔ اس کے بعد ہم ہوٹل جانے کے لیے بس میں سوار ہوئے تو خاتون کنڈکٹر کھڑی ہوگئیں اور پوچھا کہ کیا آپ لوگوں نے ماؤزے تنگ کا تازہ بیان پڑھا یا سنا ہے؟ اور مجھے ایک بار پھر اس کو سننا پڑا۔ ہوٹل میں داخل ہوئے تو استقبالیہ پر جو خاتون نام درج کر رہی تھیں' انھوں نے کہا

کہ کیا آپ نے ہمارے چیئرمین ماؤزے تنگ کا بیان سنا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں اب تو کئی دفعہ سن چکے ہیں مگر اس نے پھر سنایا۔ کمرے میں خادمہ چائے لے کر آئی تو اس نے بھی یہی پیغام سنایا۔ صبح آنکھ کھلی تو ہوٹل کے ملازمین جگہ جگہ گروہ بنائے بیٹھے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں ایک لال کتاب تھی اور وہ اس کی تلاوت کر رہے تھے۔ میرے دوست نے کہا کہ یہاں پر جب ہسپتال میں کوئی بیمار ہوتا ہے' تو اس کے سینے پر یہی لال کتاب رکھی جاتی ہے۔

مجھے تھوڑی دیر کے لیے خیال آیا کہ کوئی زندہ چیز ہو تو معاشرے کا اس سے کیا تعلق ہوتا ہے' اور تلاوت آیات کا لفظ جب قرآن استعمال کرتا ہے' یتلوا علیھم' اُس کی شاید یہی کیفیت ہوتی ہوگی۔ دن رات اس کا ذکر اور تلاوت ہوتی ہوگی' ہر ملنے والا دوسرے کو بتایا کرتا ہوگا کہ آج تو ہمارے نبیؐ پر یہ وحی نازل ہوئی ہے' آج ہمارے اللہ نے آسمان سے یہ اعلان فرمایا ہے' آج اللہ نے یہ ہدایت فرمائی ہے' اور آج اس واقعے پر اللہ تعالیٰ نے یوں تبصرہ فرمایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں نقشہ کھینچ رہا ہوں۔ پتا نہیں یہ کس قدر درست ہوگا' ہوسکتا ہے کہ اس سے بھی کئی گنا صحیح ہو۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ شاید معاشرے کا اور انسانوں کا اس کتاب کے ساتھ ایسا ہی زندہ تعلق اور کیفیت ہوتی ہوگی' جس کی ایک جھلک میں نے آپ کو دکھائی ہے۔

جب قرآن میں جان پڑ جائے گی تو اس کے کردار بھی زندہ ہو جائیں گے۔ اُس کے مومن' قوی مومن اور ضعیف مومن' اُس کے صفوں میں چلنے پھرنے والے منافق' اُس کے الفاظ میں حرکت کرنے والے کافر اور مشرک' اُس سے مجادلہ کرنے والے مدینہ کے یہودی اور نجران کے عیسائی' یہ سب کے سب بھی زندہ ہو جائیں گے۔ نام بدل جائیں گے' لباس بدل جائیں گے' زبان بدل جائے گی لیکن کردار وہی رہیں گے' اور وہی کردار ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں گے۔ جب آدمی قرآن مجید کو زندہ کتاب سمجھ کر اُس کے مشن کو لے کر اُس پر عمل کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے تو پھر اس کو طائف و بدر' احد اور حنین کے یہودی' مہاجرین اور انصار سب سے مختلف روپ میں'

مختلف الفاظ میں' مختلف زبانوں میں سابقہ پیش آئے گا۔ اس بات کو سید مودودیؒ ''سلوک قرآنی'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

قرآن کا صحیح مقام

اگر یہ اللہ کا کلام ہے تو سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ پھر ہماری نظروں میں اس کا کیا مقام ہونا چاہیے۔ اور ہمیں اس کی عظمت اور حقیقت کو کیا سمجھنا چاہیے؟ اس لیے کہ اگر ہم اس کا صحیح مقام اور صحیح حیثیت سمجھیں گے تب ہی ہم اس کی تلاوت کے حقوق اور آداب وشرائط کو پورا کریں گے۔ جس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو' اس کو آدمی اُٹھا کر ایک کونے میں ڈال دیتا ہے' کوئی وقعت نہیں دیتا ہے' طاق میں سجا دیتا ہے' لیکن جس کی جتنی قدر و قیمت کا احساس ہوتا ہے اس کو اتنا ہی اپنے سینے سے لگا کے رکھتا ہے' اس کی محبت میں مرتا ہے' اور اس کے پیچھے اپنے آپ کو لگا دیتا ہے۔

میں مختصراً اس کتاب کا تعارف کراؤں گا تاکہ ہمیں اندازہ ہو سکے کہ اس کتاب کا کیا مقام ہے!

یہ کتاب ہمارے رب کے اُس وعدے کی تکمیل ہے' جو انسان کو اُس نے دنیا میں بھیجتے ہوئے کیا تھا' فرمایا تھا:

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (البقرہ ۲:۳۸)

پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمھارے پاس پہنچے' تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے' ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔

حضرت آدمؑ کو آزمایش میں ڈالا گیا' انھیں ان کمزوریوں سے آگاہ کر دیا گیا جن کمزوریوں کے ساتھ انھیں دنیا کی زندگی گزارنا تھی۔ وہ کمزوریاں تھیں: غفلت' بھول' ارادے کی کمزوری اور شیطان کے بہلاوے کا شکار ہو جانا۔ حضرت آدمؑ کمزور اور ضعیف مخلوق تھے۔ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ○ (النساء ۴:۲۸) ''اور انسان کمزور پیدا کیا

گیا ہے''۔ پہلی آزمایش میں جب پھسل گئے تو لازماً پریشانی ہوئی ہوگی' خوف ہوگا اور غم ہوگا کہ آگے کیا ہوگا۔ چونکہ حضرت آدمؑ کو زمین پر بھیجنے کے لیے ہی پیدا کیا گیا تھا اس لیے تسلی اور سہارے کی بارش ان الفاظ میں ہوئی' کہ تمھیں میری طرف سے ہدایت آتی رہے گی۔ جو اس ہدایت کے پیچھے چلے گا وہ غم سے نجات اور چھٹکارا پائے گا۔

قرآن ہی وہ کتاب ہے جو خیروشر کی کش مکش میں جس پر اس پوری زندگی کے آخری انجام کا انحصار ہے' سہارا ہے' ہتھیار ہے' پناہ گاہ ہے' اور محفوظ اور سیدھا راستہ ہے جو کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ یہ خود بخود چلنے والا راستہ ہے۔ خود بخود چلنے والے راستے کا تصور تو نہیں ہوتا' لیکن دنیا میں خود بخود چلنے والے زینے تو ضرور پائے جاتے ہیں' لہٰذا خود بخود چلنے والے راستے بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ آدمی قرآن کو تھام کر کھڑا ہو جائے تو راستہ خود بخود ہی مل جاتا ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جو زندگی کی کش مکش میں جب حوصلے ٹوٹتے ہیں' ہمتیں پست ہوتی ہیں' قدم لڑکھڑاتے ہیں' خوف گھیر لیتا ہے' اندھیرا چھا جاتا ہے' آگے بڑھ کے ان سب اندھیروں کو کاٹ کے رکھ دیتی ہے' اور آدمی کو اپنے مقام پر قائم کر دیتی ہے۔ پھر آپ دیکھیں کہ یہی وہ کتاب ہے کہ جو روشنی اور نور ہے۔ بار بار کہا گیا ہے کہ تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نور آیا ہے۔ جہاں نور آئے وہاں اندھیرا ٹھیر نہیں سکتا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اندھیرا ٹھیر جائے۔ لہٰذا دل کے اندر اندھیرے ہوں' یا اخلاق پر اندھیرے چھائے ہوئے ہوں یا معاشرے کے اندر اندھیروں کا راج ہو' ان سب اندھیروں کو چھانٹ کے اُجالا کرنے کا کام یہی کتاب کرتی ہے۔ فطرت کے بھولے بسرے سبق یاد دلاتی ہے۔ اسی لیے اس کا نام ذکر بھی ہے۔

اُس کی عظمت اور منزلت کا عالم یہ ہے کہ کتاب خود کہتی ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ (الحشر ۵۹:۲۱)

اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر بھی اُتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے

خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے۔

تم دیکھتے کہ پہاڑ اللہ کے آگے جھک جاتے' پھٹ پڑتے اور شق ہو جاتے اور پہاڑ اس کو سہار نہ سکتے' لیکن یہ انسان کا ہی حوصلہ ہے' کہ وہ اسے پڑھتا ہے اور پھر اس کے بعد بھی نہیں پھٹتا' اس کا دل نرم نہیں پڑتا' آنسو آنکھوں کے راستے نہیں بہتے' نہ اس کے اخلاق پر اثر پڑتا ہے اور نہ اعمال ہی پر۔ کیا عجب حوصلہ ہے انسان کا!

ظاہر ہے کہ جس اللہ کا یہ کلام ہے' جس کے ایک جلوے سے پہاڑ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا' واقعی اگر یہ اس کا کلام ہے تو پھر پہاڑ کیسے ٹھیر سکتے تھے' لیکن انسان کی فطرت ہے کہ اس پر غفلت کے پردے پڑ جاتے ہیں' وہ اپنے رب سے حجاب میں آ جاتا ہے۔ اُس کا کلام سنتا بھی ہے' تو اُس سے اثر نہیں لیتا۔

یہی وہ کتاب ہے جو انسان کو اپنے رب اور مالک سے معرفت اور قربت عطا کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ جس نے پیدا کیا وہ کیسا ہے' اس سے تعلق کیسا ہو؟ صرف یہی کتاب بتاتی ہے۔ پوری کتاب اللہ ہی کے ذکر سے بھری ہوئی ہے' اللہ کیسا ہے؟ اُس کو کیا پسند ہے' پسند پر چلنے والوں سے دنیا میں کیا سلوک کرتا ہے اور آخرت میں کیا کرے گا' ناپسندی کی راہ اختیار کرنے والوں سے دنیا میں کیا سلوک کرتا ہے اور آخرت میں کیا کرے گا--- آپ غور کریں تو قرآن کی کوئی آیت اس کی تعریف سے باہر نہیں ہوگی۔ اس لیے قرآن مجید پر تو زیب النساء کا فارسی میں وہ شعر صادق آتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

> میں تو اپنے کلام میں اس طرح چھپا ہوا ہوں' جس طرح کہ پھول کی خوشبو پھول کی پتی میں چھپی ہوئی ہے۔ جو مجھے دیکھنے کا اشتیاق رکھتا ہو وہ مجھے میرے کلام سے دیکھ لے۔ اور تو کوئی چیز دیکھنے کی نہیں۔

ہماری نظریں خدا کی ذات کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ وہ نظروں میں سما نہیں سکتا' لیکن اپنا کلام اُس نے ہمارے ہاتھ میں تھما دیا ہے۔ وہ کلام غیر مخلوق ہے لیکن کتاب غیر مخلوق نہیں۔ وہ ہمارے ہاتھ میں ہے اور اُس سے معرفت اور قرب کا واحد ذریعہ ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

(یونس ۱۰: ۵۷-۵۸)

لوگو، تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کر لیں ان کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔ اے نبیؐ، کہو کہ ''یہ اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے کہ یہ چیز اُس نے بھیجی، اس پر تو لوگوں کو خوشی منانی چاہیے، یہ اُن سب چیزوں سے بہتر ہے جنھیں لوگ سمیٹ رہے ہیں''۔

ہماری عیدین ہمارے تہوار ہیں، ان مواقع پر اللہ نے جشن منانے کا حکم دیا ہے، یہ اسی کتاب کی مناسبت سے ہے۔ پہلا اس کتاب کے نزول کے آغاز، اور دوسرا اس کے اتمام کی سالگرہ ہے۔ ایک عید ہم اُس وقت مناتے ہیں جب کتاب نازل ہوئی تھی، اور دوسری تب جب اس نعمت کا اتمام ہوا تھا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ (المائدہ ۵:۳)

میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمھارے لیے اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

ہماری تو ساری خوشیاں، جشن اور مسرت اور شادیانے جو ہم بجاتے ہیں، لباس پہنتے ہیں، کھانا کھاتے ہیں، وہ سب کا سب اسی کتاب کی نسبت سے ہے۔

تلاوت کا مفہوم

قرآن مجید کے ساتھ ہمارا تعلق کیا ہونا چاہیے؟ اس کو ہمیں کیسے پڑھنا چاہیے؟

اس کے لیے قرآن مجید نے ایک ہی لفظ استعمال کیا ہے اور وہ ہے تلاوت۔ ہم مطالعہ قرآن اور اس طرح کے بہت سے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ میں قرآن کے اتباع میں اسی اصطلاح کو استعمال کر رہا ہوں' اگرچہ مطالعہ قرآن کے آداب و شرائط بھی عنوان بنا سکتا تھا۔

تلاوت کے لفظ سے عام طور پر یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ آدمی سپارہ اٹھائے' قرآن اٹھائے اور پڑھے' یا نماز میں کھڑا ہو کر تلاوت کرے۔ لیکن تلاوت کا لفظ عربی زبان میں' جس مادے سے نکلا ہے' ت ل و سے' اس کے معنی ہیں پیچھے آنا۔ پڑھنا تو ایک ثانوی عمل ہے۔ آپ غور کریں گے تو دیکھیں گے' پڑھنا تو ایسے ہے کہ ایک حرف کے بعد دوسرا حرف آئے' ایک لفظ کے بعد دوسرا لفظ آئے' ایک آواز کے بعد دوسری آواز آئے۔ اگر حروف کو اُلٹ پلٹ دیں' الفاظ کو اُلٹ پلٹ دیں' جملے اُلٹ پلٹ دیں تو کوئی بات سمجھ نہ آئے گی۔ ایک کے بعد دوسرے کا آنا بھی پڑھنے کا اور سمجھنے کا عمل ہے۔ لیکن اس کے معنی کے اندر بڑی وسعت ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ دل و دماغ اس کے پیچھے لگ جائیں' زندگی بھی اس کے پیچھے لگ جائے اور قدم بھی اس کے پیچھے اٹھیں۔ وہی امام ہو' وہی نور ہو' وہی ہدایت ہو' وہی راہ نما ہو۔ آدمی پڑھے تو اُس کا دل بھی اُس کے اندر جذب ہو جائے' آنکھیں بھی اس کے اندر جذب ہو جائیں۔ زندگی کا کوئی گوشہ' کوئی پہلو تلاوت کے اثر سے خالی نہ رہے۔ تلاوت کے اس عمل سے' جب زبان الفاظ پڑھے گی تو آنکھیں بہنے لگیں گی' جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے' دل بھی کانپ اٹھے گا' عمل بھی بدل جائے گا اور سوچ میں بھی انقلاب آ جائے گا۔ یہ سب کچھ جب اس کے پیچھے لگ جائیں' تو یہ تلاوت کا عمل ہوگا۔ اس تلاوت کے نتیجے میں تبدیلی آتی ہے۔

انسان تو ایک بہت نامعلوم سی چیز ہے' ایک زمانہ تھا کہ وہ ناقابل ذکر شے تھا۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ○ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ق نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ○ (الدھر ۷۶:۱-۲)

''کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا؟ ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اُسے سننے اور دیکھنے والا بنایا''۔ اگر انسان اپنے آپ کو قرآن کی آغوش میں ڈال دے' سپرد کردے تو وہ اس کو بالکل بلندیوں پر پہنچا سکتا ہے۔ اسی چیز کو حدیث میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندے سے کہے گا کہ قرآن پڑھتا جا' اور اُوپر چڑھتا جا' سہولت کے ساتھ' آسانی کے ساتھ۔ لہٰذا اگر اپنے آپ کو قرآن مجید کے سپرد کر دیا جائے تو عظمت و سربلندی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

تلاوت کی شرائط

تلاوت کے حقیقی مفہوم تک پہنچنے کے لیے کچھ شرائط اور کچھ آداب ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کو مختصراً آپ کے سامنے بیان کروں۔ یوں سمجھیے کہ یہ زادِسفر ہے۔

۱- اس میں پہلی چیز یہ ایمان ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اللہ کا کلام ہونے پر ایمان تو سب مسلمانوں کا ہے' لیکن اس ایمان کے کچھ مزید عملی تقاضے بھی ہیں جن کے بغیر ایمان ادھورا اور نامکمل ہے۔ اس ایمان کے بغیر یہ کتاب ہدایت اور رہنمائی کا کام نہیں کرتی۔ یہ ایمان سب کے لیے ضروری ہے' رسول کے لیے بھی ایمان رکھنا ضروری ہے۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط (البقرہ ۲:۲۸۵) ''رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور جو لوگ اس رسول کے ماننے والے ہیں' انھوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کیا ہے''۔

اس تفصیل میں جانے کی یہاں ضرورت نہیں ہے کہ بغیر ایمان کے ہدایت کیوں حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہ فلسفہ اور منطق کے مسائل ہیں جو اس وقت میرا موضوع نہیں۔ ان سب کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے۔ بہرحال پہلی چیز ایمان ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اسی ایمان کے بعد ہی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے آدمی اس کتاب کے لیے

محنت کرنے کو تیار ہوتا ہے' اور جو تعلق' شوق اور اضطراب ہونا چاہیے' جو بے چینی ہونی چاہیے' وہ حاصل ہوتی ہے۔ جس کو آدمی اپنا خالق سمجھتا ہو' جس کی رحمت کا اُس کو یقین ہو' جس کی محبت کے اندر وہ غرق ہو' یہی احساس کہ اُسی کا نامہ اور خط میرے پاس آیا ہے' وہ ساری کیفیات پیدا کرتا ہے' جو کہ اس کتاب کے ساتھ تعلق کے نتیجے میں پیدا ہونی چاہییں۔

۲- دوسری چیز نیت کا اخلاص ہے۔ اس نیت کے علاوہ کہ اللہ سے ہی رہنمائی لینی ہے' اللہ سے قریب ہونا ہے' اللہ کی معرفت حاصل کرنا ہے' کوئی اور نیت قرآن کے بارے میں صحیح نہیں ہوسکتی۔ کوئی اور نیت ہوگی تو وہ گمراہ بھی کر دے گی۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ کتابِ ہدایت گمراہ بھی کر دیتی ہے۔ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط (ابراھیم ۱۴:۴) ''اللہ جسے چاہتا ہے بھٹکا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے''۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا لا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ط (البقرہ ۲:۲۶) ''اللہ ایک ہی بات سے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہتوں کو راہِ راست دکھا دیتا ہے''۔ تلاوت کے لیے شرائط تو اور بھی ہیں لیکن نیت کا خالص ہونا بنیادی شرط ہے۔

۳- تیسری چیز حمد اور شکر ہے۔ اس لیے کہ جو عظیم الشان خزانہ اور نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں میں تھمائی ہے' ہمارے سپرد کی ہے' اس پر ہمارا دل حمد اور شکر کے جذبات سے لبریز ہونا چاہیے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا قف وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ج (الاعراف ۷:۴۳)

اور وہ کہیں گے کہ ''تعریف خدا ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا' ہم خود راہ نہ پا سکتے تھے اگر خدا ہماری رہنمائی نہ کرتا''۔

حمد اور شکر سے ہی سارے دروازے کھلتے ہیں۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم ۱۴:۷) ''اگر شکرگزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا''۔ اور جس کو قدر ہی نہ ہو کہ کیا مل رہا ہے' اس کے لیے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ دروازے اُسی کے لیے

کھلیں گے' اُسی کو ملے گا جس کو قدر ہوگی' جو شکر کرے گا۔ شکر کا حق ادا نہیں ہوسکتا بلکہ کسی بھی چیز کے شکر کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ لیکن جو نعمت سب سے بڑی نعمت ہو' جو اس عارضی اور فانی دنیا کو لافانی زندگی میں تبدیل کرسکتی ہو' اس کا شکر بجا لائیں تو کیسے بجا لائیں! اس فانی زندگی کی کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا کرنا محال ہے۔ کوئی آدمی اگر چاہے کہ ہاتھ پاؤں کا حق ادا کردے' حق ادا نہیں کرسکتا' اور جو کتاب اس ہاتھ پاؤں کو ہمیشہ کے لیے قائم کردے گی' اس کتاب کا شکر کیسے ادا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن پھر بھی شکر ادا کرنا ضروری ہے۔

۴- چوتھی چیز یہ اعتماد ہے کہ جو چیز بھی اس کتاب میں ہے' صحیح ہے' وہی میرے لیے نافع ہے' اسی میں میری بھلائی ہے' اسی میں خیر ہے۔ ریب (شک) اور تذبذب' یہ دو مرض کینسر کی طرح کتاب کے ساتھ تعلق کو تباہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی شک یا تذبذب میں مبتلا ہو' تو وہ اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ قرآن نے بار بار ایسے لوگوں کی نفی کی ہے' اور اسی لیے آغاز اس طرح کیا ہے کہ لاریب فیہ' اس بات میں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' کوئی شک نہیں ہے۔ جس کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں یا اس کی کسی بھی بات میں ذرا بھی شک ہو' اس کے لیے یہ کتاب ہدایت نہیں ہے۔ جس میں تردد پیدا ہوگیا' وہ بھی اس کتاب سے ہدایت نہیں پاسکتا۔

۵- پانچویں چیز اطاعت ہے' یعنی انسان قرآن کے مطابق اپنے اندر تبدیلی اور تغیر لائے۔ لیکن آدمی جب اطاعت کرے گا تو اس سے گناہ بھی ہوں گے' نافرمانیاں بھی ہوں گی' آدمی پھسل بھی جائے گا' لیکن پہلے سے خودسپردگی کی کیفیت کہ جو یہ کتاب کہے گی' وہ میں کرنے کی کوشش کروں گا' آداب تلاوت میں سے ہے۔ یہ کتاب نکتہ آفرینی یا ذہنی عیاشی کے لیے نہیں ہے۔ یہ کتاب تو شروع سے لے کر آخر تک عمل' کوشش اور محنت اور جدوجہد کے لیے آئی ہے۔ یہ کتاب تو آئی ہی اسی لیے ہے کہ انسان اس کے پیچھے چلیں' اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیں۔ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ط (مریم ۱۹:۱۲) ''اے یحییٰ' کتاب الٰہی کو مضبوط تھام لے''۔ پھر اسی کا چرچا

کریں' اسی کے پیچھے چلیں اور قرآن کے مطابق اپنے اندر تبدیلی اور تغیر لائیں۔ یہ اطاعت کا بنیادی تقاضا ہے۔

۶- چھٹی چیز یہ ہے کہ اس کتاب سے فائدہ اٹھانے میں جو خطرات لاحق ہوں ان سے بچنے کے لیے شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو۔ شیطان تو گھات لگا کر بیٹھے گا۔ اس نے کہا ہے کہ دائیں سے آؤں گا' بائیں سے آؤں گا' آگے سے آؤں گا' پیچھے سے آؤں گا' اور اس طریقے سے' جسے یہ کتاب لے کر آئی ہے' جو لوگ اس پر چلنا چاہیں گے اُن کو ہٹانے کی کوشش کروں گا۔ ایسے میں پھر کون پناہ دے سکتا ہے' کون سہارا دے سکتا ہے' کس کے پاس فصیل اور قلعہ ہے جس میں ہمیں پناہ مل سکتی ہے سوائے اس کے کہ جس نے اس کتاب کو اتارا ہے۔ اس لیے قرآن کہتا ہے کہ جب کتاب پڑھو تو پہلے اللہ کی پناہ مانگ لو۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ (النحل ۹۸:۱۶)

پھر جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو۔

قرآن پڑھنے کے لیے یہ حکم اسی بات کے پیش نظر آیا ہے۔ یہ زندگی کے لیے بڑی نازک اور اہم جستجو اور سفر ہے اور اس سفر میں بڑے خطرات ہیں۔ ان خطرات کا احساس' اُن کا ادراک اور شعور ضروری ہے اور اُن سے بچنے کے لیے تعوذ پڑھنا ناگزیر ہے۔

یہ چھ چیزیں بنیادی لوازمات کی حیثیت رکھتی ہیں' اور اس کتاب کے لیے زاد سفر ہیں اور ناگزیر ہیں۔ یہ ظاہری آداب تھے۔ اس کے بعد کچھ باطنی آداب ہیں۔

باطنی آداب

ہماری شخصیت کے دو حصے ہیں۔ ایک ظاہری ہے اور دوسرا باطنی۔ ایک جسم اور ہاتھ پاؤں ہیں' اور دوسری اندرونی شخصیت ہے۔ یہ ہمارا دل اور قلب ہے۔ اس کو

قرآن مجید نے قلب سے تعبیر کیا ہے۔ اس قلب کو تلاوت کے عمل میں شریک کیا جائے۔ یہ نہیں کہ آدمی زبان سے پڑھتا جائے اور دل کہیں اور گھوم رہا ہو۔ وہ کیا چیزیں ہیں جن سے دل بھی اس تلاوت کے عمل میں شریک ہو سکتا ہے؟ اب میں ان کا تذکرہ کروں گا۔

۱- خود اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں ذکر فرمایا ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والوں پر اس کے اثرات اور تجلیات مرتب ہوتی ہیں۔ اُن کو آپ ایک لحظے اور ایک لمحے کے لیے تازہ کر لیں۔ یہ تلاش کرنا آپ کے لیے مشکل نہیں ہے۔ اس حوالے سے قرآن کی بہت سی آیات ہیں۔

سورہ الانفال میں ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو دل کانپ اٹھتے ہیں' اور جب کلام پڑھا جاتا ہے تو ایمان بڑھتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ سورہ المائدہ میں ہے کہ جب وہ کلام سنتے ہیں تو اُن کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ سورہ الزمر میں ہے کہ جب کتاب پڑھی جاتی ہے تو جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں' کھالیں نرم پڑ جاتی ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ لوگ جب اس کو پڑھتے ہیں تو روتے ہوئے سجدوں میں گر جاتے ہیں' اور اُن کے خشوع میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ سورہ مریم میں بھی اس طرح کی آیات ہیں۔ جگہ جگہ اس طرح کے موضوعات ہیں۔ اگر تلاوت سے پہلے ان کو سامنے رکھا جائے اور ایک لمحے کے لیے آدمی یہ ذہن میں تازہ کر لے کہ قرآن کو پڑھنے والے ایسے تھے اور ان کی یہ کیفیت ہوتی تھی تو بہت مفید ہے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے پھر بھی ان کیفیات کو اپنے اُوپر طاری کرنے کی کچھ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ سوچنا چاہیے کہ اگر میں اس راستے پر آگے بڑھوں تو مجھے بھی ایسا کرنا چاہیے۔

۲- یہ سوچا جائے کہ اللہ میرے سامنے ہے' اُس کے سامنے بیٹھ کر میں قرآن پڑھ رہا ہوں اور یہ اُس کی کتاب ہے۔ قرآن مجید میں بار بار یہ حکم بھی آیا ہے کہ اُس کے سامنے کھڑے ہو کر بار بار تلاوت کرو۔ جس طرح بچہ اُستاد کے سامنے جو نگرانی کر رہا ہو' کھڑے ہو کر پڑھتا ہے تو اور ہی کیفیت ہوتی ہے' اور تنہائی میں پڑھتا ہے تو اور

کیفیت ہوتی ہے۔ عبادت میں احسان کی منزل بھی یوں ہی حاصل ہوتی ہے کہ آدمی اس طرح بندگی کرے کہ گویا اللہ اس کے سامنے ہے اور وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ لیکن یہ تو اللہ کی کتاب کا معاملہ ہے۔ یہ سب سے بڑی عبادت ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت نماز میں کی جائے۔ اس طرح کے بے شمار احکام قرآن میں دیے گئے ہیں' اور اللہ کا ذکر تو قرآن میں سب سے بڑھ کر ہے۔

یہ احساس کہ میں اللہ کے سامنے ہوں' مستحضر ہونا چاہیے۔ قرآن کی آیات گواہ ہیں کہ تم کہیں بھی ہو ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا (الطور ۵۲:۴۸) ''تم ہماری نگاہ میں ہو''۔ میں ہر بات سن رہا ہوں۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ○ (قٓ ۵۰:۱۶) ''ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں''۔ اگر دو ہوتے ہیں تو میں تیسرا ہوتا ہوں۔ تین ہوتے ہیں تو میں چوتھا ہوتا ہوں' کم ہوں یا زیادہ میں ساتھ ہوتا ہوں۔ تنہائی میں بیٹھے ہوں یا مجلس میں' یا درس ہو رہا ہو' میں موجود ہوتا ہوں۔ یہاں تک کہ کوئی بھی کام کرتے ہو' قرآن پڑھتے ہو' ہم وہاں موجود ہوتے ہیں۔ یہ چیز ذہن میں اسی طرح تازہ رہنی چاہیے۔

۳- ہم یہ سوچیں کہ ہم اس کلام کو اللہ سے سن رہے ہیں' چاہے یہ بہت اونچا درجہ اور مقام ہو۔

امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ ایک بزرگ نے کہا کہ پہلے میں اس کتاب کو ایسے ہی پڑھتا تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ میں اس کو محمد رسولؐ اللہ سے سن رہا ہوں' تو میرے مزے اور کیفیت میں اضافہ ہوگیا۔ پھر میں نے سوچا کہ میں تو اس کو جبریلؑ امین سے سن رہا ہوں' تو پھر یہ کیفیت اور دوبالا ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے فرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خود موجود ہوں' وہ میرے ساتھ ہی ہیں' وہی مجھے سنا رہے ہیں' وہی اس کتاب کو نازل کر رہے ہیں' اس کے بعد میرا مزا اور لطف' میری کیفیت کا کوئی اندازہ نہ رہا۔ اس کیفیت کی جتنی بھی کوشش کریں کہ حاصل ہو جائے' کم ہے۔

۴- یہ احساس ہو کہ جو بھی کہا جا رہا ہے' اس کا ہر لفظ میرے لیے ہے۔ اگر اہل

ایمان سے خطاب ہو رہا ہے تو بھی' اور اگر منافقین سے ہو رہا ہے یا کافروں سے ہو رہا ہے تو بھی ہمارے لیے ہے کہ ہم ایسے نہ بنیں۔ گویا ہر لفظ میرے لیے ہے۔ اگر ایک ایک حصے کو کاٹ کر الگ کرنا شروع کر دیا کہ یہ مہاجرین کے لیے ہے میں تو مہاجر نہیں ہوں' یہ انصار کے لیے ہے میں تو انصار نہیں ہوں' یہ یہودیوں کے لیے ہے میں تو یہودی نہیں ہوں' تو ساری کتاب کا ستیاناس ہو جائے گا۔ یہ سمجھنا چاہیے کتاب کا ہر لفظ میرے لیے ہے۔

۵- کتاب جب آدمی پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے گفتگو اور مکالمہ کرتا ہے۔ ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سورۃ الفاتحہ میرے اور بندے کے درمیان برابر تقسیم ہے۔ جب بندہ کہتا ہے کہ الحمدللہ تو میں کہتا ہوں کہ بندے نے میری حمد بیان کی ہے۔ جب بندہ الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ بندے نے میری ثنا کی ہے۔ جب بندہ کہتا ہے کہ مالک یوم الدین تو میں کہتا ہوں کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی ہے۔ اس کے بعد جب وہ کہتا ہے کہ ایاک نعبد وایاک نستعین 'اب میرے اور بندے کے درمیان معاہدہ ہو گیا' جو کچھ بھی مانگے گا میں اُس کو دوں گا۔ اُس کے بعد بندہ کہتا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم 'اے اللہ تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بندہ قرآن مجید پڑھتا ہے' تو وہ اللہ تعالیٰ سے کلام کرتا ہے' مکالمہ کرتا ہے' اور یہ گفتگو آدمی اور اللہ کے درمیان چلتی رہتی ہے۔

ظاہری آداب

یہ تو وہ چیزیں ہو گئیں جو اندرونی طور پر دل کو شریک کرنے کے لیے بہت مفید ہو سکتی ہیں۔ تھوڑا تھوڑا جس قدر بھی بس میں ہو' ہم عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد کچھ ظاہری افعال بھی ہیں۔

جب کلام پڑھا جاتا ہے اور ہم سنتے ہیں کہ کوئی بات ہم سے کہی جا رہی ہے' کوئی ہم سے مکالمہ کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے میرے بندے' اے میری بندی اس

کوسنو۔ جب ہم سے کہا جا رہا ہے تو پھر اس بات کا جواب بھی دیا جانا چاہیے۔ کوئی گونگا یا بہرا ہوگا تو جواب نہ دے گا' یا اندھا ہوگا جسے دکھائی نہ دے گا۔ قرآن نے خود کہا ہے کہ یہ لوگ اندھوں اور بہروں کی طرح قرآن سے گزر جاتے ہیں' ان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن گوشت پوست کے انسان سے اُس کا محبوب' اُس کا رب' اُس کا مالک کلام کر رہا ہو اور اُس کا کوئی جواب اُس کی طرف سے نہ ہو۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔

دل کا جواب یہ ہے کہ اس پر وہی کیفیت طاری ہو جائے' جو کیفیت اس کلام کے اندر موجود ہے۔ زبان کا جواب یہ ہے کہ آیات سننے کے بعد ان کا جواب دیا جائے۔ بہت ساری آیات پر تو نبی کریمؐ نے خود تعلیم دی ہے کہ جب وہ آیات پڑھی جائیں تو ان کا جواب دیا جائے۔ اگر آیت پڑھی جائے: اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ ○ (التین ۹۵:۸) ''کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں؟'' آدمی کہے: بلٰی' کیوں نہیں۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○ (الرحمٰن ۵۵:۱۵)' سنے تو بھی جواب دینے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس طرح کی اور بہت ساری آیات ہیں۔

یہ پہلو تو آیات کا جواب دینے کا ہے۔ لیکن جن صحابہؓ نے رات کی نماز میں نبی کریمؐ کے ساتھ شرکت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ کی تلاوت قرآن کا انداز یہ تھا کہ اگر کہیں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر آتا تو آپؐ سبحان اللہ کہتے' کہیں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر آتا تو الحمدللہ فرماتے' کہیں اُس کی نعمتوں کا ذکر آتا تو آپؐ رک کر اس کا سوال فرماتے' اور اُس کو مانگتے' اور کہیں اس کے عذاب کا ذکر آتا تو آپؐ اس پر پناہ مانگتے۔ آپؐ ہر چیز کا فوراً جواب زبان سے دیا کرتے۔

تلاوت آیات پر آنکھیں بھی جواب دیتی ہیں۔ اس کلام کی عظمت کا احساس ہو تو دل نرم پڑنے چاہییں' اور دل نرم پڑیں تو آنکھوں میں نمی آنی چاہیے۔ اس لیے حدیث ہے کہ قرآن پڑھو تو روؤ' رو نہ سکو تو رونے کی کوشش کرو اور اگر ہو سکے تو اس کیفیت کو طاری کرو۔

قرآن کا ادب اور تعظیم ضروری ہے' اس میں قبلہ رو بیٹھنا' وضو کرنا' سر جھکا کر

پڑھنا' یہ سب باتیں شامل ہیں۔ لیکن اس ادب کو اس حد تک نہ بڑھایا جائے کہ تلاوت کو ہی ترک کر دے' مثلاً یہ کہ وضو نہیں ہے اور بغیر وضو کے تلاوت نہیں ہو سکتی۔

تلاوت کے بہت سارے مدارج ہیں۔ ایک درجہ ترتیل ہے جس کا قرآن نے خود حکم دیا ہے۔ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً (المزمل ۷۳:۴) ''اور قرآن کو خوب ٹھیر ٹھیر کر پڑھو''۔ مطلب یہ ہے کہ خوب ٹھیر ٹھیر کر پڑھے' سمجھ کر پڑھے' جذب کر کے پڑھے' اچھی طرح پڑھے' لحن کے ساتھ پڑھے اور ذوق اور شوق کے ساتھ پڑھے۔ ترتیل کا اردو یا انگریزی میں ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ ترتیل میں یہ سب مفہوم شامل ہیں۔

پاکیزگی بھی ضروری ہے۔ اس کے لیے ہمارے ہاں دینی لفظ طہارت ہے۔ طہارت کے ایک معنی ظاہری طہارت کے ہیں جو فقہ کے احکام سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے دوسرے معنی باطنی طہارت کے ہیں۔ باطنی طہارت یہ ہے کہ دل ان چیزوں سے پاک ہو جو اللہ کو ناپسند ہیں۔ اخلاق ان چیزوں سے پاک ہوں جنھیں اللہ نے ناپسند فرمایا ہے۔ زبان اُن چیزوں سے پاک ہو جو اللہ کو ناپسند ہیں۔ مال ان چیزوں سے پاک ہو جن سے اللہ نے منع فرمایا اور حرام ٹھیرایا ہے۔ غذا اُس لقمے سے پاک ہو جو اللہ کے نزدیک ناپاک ہے۔ یہ بھی پاکیزگی کے معنی ہیں اور جب تک یہ نہ ہو قرآن اپنے دروازے نہیں کھولتا۔

اللہ سے تعلق بھی بہت ضروری ہے۔ سب کچھ اُس کے ہاتھ میں ہے' اور احادیث کے اندر بے شمار دعاؤں کی تعلیم دی گئی ہے۔ ان سب دعاؤں کو آپ کتابوں سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اُن کو یاد کر سکتے ہیں اور اُن کو پڑھنے کا اہتمام کر سکتے ہیں۔

قرآن کو سمجھنا بھی اہم ہے۔ یہ آپ نہ سمجھیں کہ سمجھے بغیر قرآن کا فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ ہوگا تو سہی لیکن پورا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن صرف سمجھنا اور علم ہی کافی نہیں ہے اس لیے کہ بے شمار لوگ ہیں جو بغیر سمجھے بھی قرآن سے بہت کچھ حاصل کر لیتے ہیں' اور بہت سارے لوگ بہت کچھ سمجھنے اور علم حاصل کرنے کے باوجود اس سے کچھ حاصل نہیں کر پاتے۔

آپ نے شاید اپنے گھروں میں یا محلوں کے اندر دیکھا ہو کہ ایسے لوگ جو قرآن کا ایک بھی حرف اور معنی نہیں جانتے' وہ کتاب کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور زار و قطار روتے ہیں اور پڑھتے ہیں اور پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اور وہ جو اس کی لغت اور معانی اور تفسیر کے امام ہوتے ہیں' وہ عرب جو اس کی زبان سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں' وہ ملحد اور بے دین بھی ہوتے ہیں' اس لیے صرف زبان کا جاننا اور سمجھ لینا کافی نہیں ہے۔ ظاہر ہے اس کے لیے ایمان اور بہت ساری چیزیں ضروری ہیں۔

میں نے تو اندھوں کو بھی دیکھا ہے کہ بے چارہ پڑھنا نہیں جانتا لیکن لائنوں پر انگلی پھیرتا جاتا ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کا کلام ہے' دوسرے کلاموں کی طرح کا کلام نہیں ہے' اور نہ دوسری کتابوں کی طرح کی ہی کتاب ہے۔ البتہ سمجھنا بھی ضروری ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ خود قرآن کو سمجھے اور معنی معلوم کرے' اور پھر اس سے آگے بڑھے۔

تلاوت کی مقدار

تلاوت پر گفتگو میں یہ پہلو بھی آتا ہے کہ کتنی کثرت کے ساتھ پڑھے۔

یہ بات تو معلوم ہے کہ قرآن سارے انسانوں کے لیے آیا ہے' کمزوروں کے لیے بھی' قوی اور ضعیف کے لیے بھی' بوڑھوں کے لیے بھی' مردوں اور عورتوں کے لیے بھی۔ سب کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ اگر قرآن کہہ دیتا کہ نہیں اتنا پڑھنا ضروری ہے' تو پھر بڑی مشکل ہو جاتی' لہٰذا جتنا قرآن پڑھنا ضروری اور فرض ہے اس کے لیے اُس نے نمازیں فرض کر دیں۔ پانچ نمازوں میں قرأت ہو جاتی ہے اور قرآن پڑھ لیا جاتا ہے۔ باقی اُس نے کہہ دیا ہے کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط (المزمل ۷۳: ۲۰) ''اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو' پڑھ لیا کرو''۔

آپ جانتے ہیں کہ پہلے رات کی نماز فرض تھی۔ آدھی رات کو' اُس سے کچھ زیادہ' اُس سے کچھ کم لوگ کھڑے رہا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں' ہم کو

معلوم ہے کہ تم میں مریض بھی ہوں گے' لوگ تلاش معاش میں بھی سرگرم عمل ہوں گے' اور بعض راہ حق میں جہاد کے لیے بھی مصروف ہوں گے' اس لیے ان سب کی وجہ سے کہہ دیا کہ اس میں سے جو بھی آسانی کے ساتھ پڑھ سکو پڑھو۔ نماز قائم کرو' زکوٰۃ دو' اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

کتنا پڑھا جائے اس کا کوئی ایک معیار نہیں۔ اس لیے کہ مختلف لوگوں کے مختلف طریقے رہے ہیں۔ بعض لوگ ایک ماہ میں ایک قرآن ختم کرتے تھے' اسی کے حساب سے پارے بنائے گئے۔ بعض لوگ ایک ہفتے میں قرآن ختم کرتے تھے' اسی کے حساب سے قرآن کی سات منازل ہیں۔ بعض لوگ صرف نمازوں میں پڑھتے تھے' اس لحاظ سے اس کے رکوع بن گئے۔ اس کی کوئی مقدار طے نہیں ہوسکتی کہ کتنا پڑھیں۔

کس وقت پڑھیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت بھی ہو سکے پڑھیں' آناءَ لیل و آناءَ النھار ''رات کی گھڑیوں میں بھی' دن کی گھڑیوں میں بھی''۔ جو وقت بھی میسر آجائے۔ کچھ لوگ اپنی جیب میں بھی قرآن کے مصحف رکھتے ہیں کہ جہاں موقع مل جائے پڑھ لیتے ہیں۔ اگر یاد ہو تو راستہ چلتے ہوئے بھی قرآن پڑھا جا سکتا ہے' سواری میں سوار ہو کر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سوتے ہوئے یا سونے کے بعد اُٹھ کر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ بہت سارے مواقع ہوتے ہیں' لیکن یہ بات قرآن نے خود کہی کہ اس کے لیے پڑھنے کا سب سے بہترین وقت سحر کا وقت ہے۔ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷:۷۸) ''کیونکہ قرآن فجر مشہود ہوتا ہے''۔ رات کو پڑھنے کی بھی تاکید کی گئی ہے۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلاً ○ (المزمل ۷۳:۶) ''درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے''۔ اور ویسے بھی فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا ' قرآن فجر میں پڑھا جاتا ہے تو فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں اور نبی کریمؐ سے روایت ہے کہ آپؐ فجر کی نماز میں طویل رکعتیں پڑھا کرتے تھے' کم سے کم ۵۰ آیات۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن خواہ کثرت کے ساتھ پڑھا جائے' یا کم پڑھا جائے لیکن کوئی دن ایسا نہ ہونا چاہیے جو تلاوت کے بغیر گزرے۔ قرآن سے مستقل تعلق قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ نماز کے باہر' بہت تھوڑا پڑھے لیکن باقاعدگی کے ساتھ پڑھے۔ تھوڑا عمل جو باقاعدگی کے ساتھ ہو' وہ اللہ کو زیادہ مرغوب اور پسند ہے۔

اللہ مجھے' آپ کو' ہم سب کو صحیح معنوں میں قرآن کی تلاوت کرنے' اس پر عمل کرنے اور اس کی طرف دعوت دینے والا بنا دے۔ آمین!

(کیسٹ سے تدوین: امجد عباسی' ترجمان القرآن' دسمبر ۲۰۰۱ء)